امیر الامراء، رئیس الاولیاء
حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی
ایک مطالعہ

جناب تقی انور صاحب علوی کاکوروی

حضرت سرورِ کائنات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن حکیم فرماتا ہے:
لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم (یعنی اللہ نے مومنین پر احسان کیا کہ انھیں میں سے اُن میں رسول بھیجا جو انھیں آیتیں سناتا اور ان کو سنوارتا ہے) حضورِ اقدسؐ امراض روحانی کے طبیبِ کامل اور نبضِ فطرت کے سب سے بڑے نباضِ تھے۔ اپنی امت اور اپنے صحابۂ کرام کے ہر فرد کے مزاج، فطرت اور اقتضائے طبیعت، ہر ایک کا علینِ ثابت معائنہ فرما کر اور اور انھیں ہر طرح جانچ و پرکھ کر ان کا علاج تجویز فرماتے تھے۔ چونکہ ہر شخص کا مزاج اس کی افتاد طبع اس کی طینت و فطرت بیشتر دوسرے سے مختلف اللہ نے تخلیق فرمائی ہے اسی لئے طریقۂ علاج اور دوا بھی مختلف ہوتی ہے۔ گرم مزاجوں کے لیے گرم دوائیں نقصان رساں ثابت ہوتی ہیں اور سرد و بلغمی مزاج والوں کے لیے سرد دوائیں مضر پڑتی ہیں۔ انگریزی

لہ لفظ احرار کی وجہ تسمیہ "گلزار ابرار" میں مذکور ہے لہٰذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ۔ ۱۲

مثل بھی ہے کہ ایک شخص کے لیے جو دوا تریاق ہوتی ہے وہی دوسرے کے لئے زہرِ ہلاہل ہے۔ حضورؐ کی حیات طیبہ و نیز اکابرین صحابہ رضوان علیہم کے حالات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضورؐ نے ان کی اصلاحِ نفس، تزکیۂ باطن اور تجلیۂ روح کے مختلف طریقے ان کی طینت و فطرت کے مطابق اختیار فرمائے۔ اگر کچھ صحابۂ کرام کے لیے فقر و فاقہ و عسرت کی زندگی بسر کرنے میں ان کی فلاح و روحانی ترقی تجویز فرمائی اور اس طریقہ کو ان کے لیے پسند فرمایا، تو دوسری طرف بعض اکابر صحابہؓ کو دولت و ثروت کے حصول کی توفیق عطا فرما کر اس کے لیے ان کی ہمت افزائی فرمائی۔ اگر ایک طرف حضورؐ نے الفقر و فخری (فقر میرے لیے فخر ہے) ارشاد فرما کر صحابۂ کرام کے قلوب کو حرصِ مال و حبِ جاہِ دنیا سے بے نیاز کر دیا، تو دوسری طرف کاد الفقر ان یکون کفرًا (مجھے خوف ہے کہ فقر کہیں کفر تک نہ پہنچا دے) ارشاد فرما کر ان کو متنبہ فرمایا کہ ناقابل برداشت عسرت اور تنگدستی بعض اوقات انسانوں کو اتنا زائد پریشان اور تنگ دل کر دیتی ہے کہ وہ مائل بہ کفر ہو جاتے ہیں۔ اس پریشان حالی میں مضطرب و پریشان ہو کر وہ اعتقاداتِ کفریہ کی جانب مائل ہو کر ایسے کلمات کہہ جاتے ہیں جو کفر کی حدود تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس موخر الذکر حدیث کی عملی توضیح و تشریح اس طرح فرمائی کہ ایک دولتمند صحابی کو آپؐ نے دیکھا۔ صاحبِ حیثیت و ثروت ہوتے ہوئے بھی وہ معمولی حیثیت سے رہتے تھے۔ ایک بار وہ حاضر تھے کہ حضورؐ نے اظہارِ ناگواری فرمایا بلکہ ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ تم کو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔ اس طرح رہو کہ اس کی نعمتوں کا لوگوں پر اظہار ہو اور اس کے شکر گذار بندہ بنو چنانچہ انھوں نے اپنا طرز ماند و بود تبدیل کیا۔ قیمتی لباس پہن کر حاضر ہوئے۔ حضورؐ خوش ہوئے۔ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں فاقوں، پیوند لگے کپڑوں اور جھونپڑے نما مکان میں مسرور و شکرانہ زندگی گذارتے تھے کبھی کبھی لباسِ فاخرہ و رنگین میں مجمعِ اصحاب میں منبر شریف پر جلوہ فگن ہوتے تھے اور اس عہد کے عرب کے

مروجہ بہترین اور لذیذ غذاؤں سے کام و دہن کو محروم و نا آشنا نہ فرماتے ۔ واقعۂ ایلا کی تفصیل پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کاشانۂ نبوت اگرچہ خام تھا لیکن دو منزلہ تھا ۔ اپنے محبوب و مستجاب الدعوات چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو شان و شوکت و ناز و نعم میں بسر کرنے میں مالی اعانت فرماتے تھے ۔ جانشین رسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دولت و ثروت اور مالی خدمات کو حضورؐ نے کیسا سراہا ہے ۔ اظہارِ تشکر میں فرماتے ہیں: مانفعنی مال احد کم کما نفعنی مال ابی بکر (یعنی تم میں سے کسی ایک کے مال و دولت نے مجھے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے) حضرت عمر فاروقؓ کا حصولِ معاش کا اصل ذریعہ تجارت تھا جو ہجرت کے بعد جاری رہا اور ساتھ مخصولہ اپنی ملک اراضی پر زراعت بھی کرتے تھے ۔ بعد کو خلافت کے بارِ گراں اور اس کی عدیم النظیر مصروفیات و خدمات نے آپ کو بے حد مصروف و محتاط بنا دیا ۔ دورِ خلافت کا عہد گویا آپ کا اختیاری فقر تھا ۔ حضرت عثمانؓ غنی کی دولت و ثروت اور امیرانہ طرزِ معاشرت اور اس سے اسلام و مسلمانوں کی نفع اندوزی کی ہزارہا داستانیں ہیں ۔ مدینہ میں جس وقت مسلمان شیریں پانی کے ایک ایک قطرہ کو ترس رہے تھے تو آپ نے بیرِ رومہ (جس کا مالک دشمن یہودی تھا) بیس ہزار میں خرید کر توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا ۔

یا جیشِ عسرہ (بے سرو سامان لشکر) آراستہ کرنے کے لیے آپ نے حضورؐ کے قدموں پر اپنے مکسوبہ مال و دولت کے انبار لگا دیے ۔ اس وقت حضور سرورِ عالمؐ کی خوشی و مسرت کا یہ عالم تھا کہ درہم و دینار کو دونوں ہاتھوں سے اُچھالتے اور حضرت عثمانؓ کو دعائیں دیتے جاتے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو حضورؐ نے اپنا نفس (متحد الذات والصفات) فرمایا اس لیے ان کے حسبِ فطرت و طینت صرف لباس "الفقر فخری" عطا فرمایا یعنی فقر و فنا و نیستی کی لذتوں میں ہمہ وقت مستِ الست رہ کر اپنوں کے ہاتھوں ناکامیوں میں بسر کرتے ہوئے مشاہدۂ ذات میں مستغرق رہنے سے

غیر ناکامی دریں رہ کام نیست   راہِ عشق است ایں رہ حمام نیست

اسی لیے مسند الوقت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے آپ کو امت محمدی کا سب سے پہلا مجذوب لکھا ہے (یعنی جس کی جزئیت کو ذاتِ حق نے اپنی کلیت میں جذب کرلیا) گویا عشق نے ان کو اپنا نقشِ ثانی بنادیا۔ دوسری طرف شاہزادگان رسولؐ حضرت حسنین علیہما السلام کی مبارک زندگی پر نظر ڈالئے ان کی داد و دہش کے صدہا قصے سیر و تاریخ میں مذکور ہیں۔ حضرت امام حسنؓ کے جاہ و ثروت کا یہ رنگ تھا کہ ایک ایک وقت میں لاکھوں صرف ایک سائل کو دیدینا معمولی بات تھی۔ آپ کا دسترخوان بہت وسیع اور لذیذ کھانوں سے پر ہوتا تھا وہ ایسا خوانِ یغما تھا جس پر دوست دشمن سب ہی کام و دہن بلا استثنا لذت یاب ہوتے تھے اور ہزارہا فاقہ زدہ لوگ شکم سیر ہوتے تھے۔ سرکارِ دو عالمؐ کے بہت ہی محبوب اور حواری حضرت زبیرؓ (پھوپھی زاد بھائی) کی زراعت و باغبانی (کھجور و انگور کے باغات) اتنے بڑے رقبہ میں تھی کہ ایک وقت میں ہزارہا مزدور اس میں کام کرتے تھے، نہایت فارغ البالی اور بڑی شان سے زندگی بسر فرماتے تھے۔ حضرت طلحہؓ و حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی جاہ و ثروت، عالی شان محلات، دولت کی اتنی فراوانی کہ ورثا میں لاکھوں کروڑوں بصورت درہم و دینار تقسیم ہوئے اور سونے کے اتنے بڑے بڑے ڈلے تھے جو کلہاڑی سے کاٹ کر تقسیم کیئے گئے۔ میں نے صرف خانوادۂ نبوت اور حضرات عشرۂ مبشرہ رضوان اللہ علیہم کے حالات سے چند مثالیں دی ہیں) حضور سرور عالمؐ نظام معیشت کی اصل روح سے واقف کرائے گئے تھے آپؐ اکمل ماہر نفسیات بھی تھے۔ آپؐ نے طبقاتی جنگ کو پسند نہیں کیا۔ امراء و غرباء کو ایک دوسرے سے صف آرا نہیں ہونے دیا۔ غریب و نادار اپنی غربت میں خوش تھا۔ محنت و مزدوری سے کسب حلال میں مصروف رہتا۔ دولت مندوں کی دولت کی طرف للچائی نظروں سے دیکھنا عزتِ نفس و خودداری کے منافی سمجھتا تھا۔ اسی طرح دولت مندوں

کے قلوب سے دولت کی لالچ، حرص اور محبت اس طرح دور کی کہ ان کے دل میں اپنی توجہ و تصرف باطن سے یہ بات بٹھا دی اور یہ حقیقت نقش کر دی کہ دولت وثروت امانتِ الٰہی ہے۔ وہ اس کے امین ہیں۔ حسب احکام الٰہی اس کا برمحل صرف کرنا، حقوق العباد کا ملحوظ رکھنا، مخلوقِ خدا کے ساتھ معاملت میں سچا رہنا ان کا اولین فرض منصبی ہے۔ حضورؐ نے ان کے قلوب سے دنیا کی محبت وحرص کا زنگ دور کر دیا۔ ان کے آئینۂ قلب پر ایسی صیقل کر دی کہ اُس میں رُخِ یار کا عکس جھلک اٹھا۔ جب قلب نورِ الٰہی سے معمور ہو گیا تو دولت وثروت ان کی نظروں میں ہیچ پوچ ہو گئی۔ نصرتِ اسلام کے وہ ناصر بنے۔ اپنی دولت راہ خدا میں لٹائی اور اس سے اساسِ اسلام کو استحکام عطا فرمایا۔ اصحاب صفہ تنگ دستی اور فقر میں مست رہے اور ساز وبرگ ہستی سے ہمہ تن بے نیاز رہے۔ عاشقِ رسولؐ حضرت ابو ذر غفاریؓ ایک بار اصرار سے عرض کرتے رہے کہ کسی مقام کے حاکم بنا کر بھیجدیئے جائیں لیکن ناز بردار محبوبؐ نے کسی طرح منظور نہ فرمایا۔ ارشاد ہوا "اے ابی ذر تم کو ایک غلام کی ماتحتی اور سرداری میں اس کا محکوم بن کر رہنا مفید ہے۔ کبھی حاکم بننے کی خواہش نہ کرنا۔" چنانچہ جب آپ نے ربذہ میں قیام فرمایا تو حبشی غلام جو وہاں کا نگراں تھا اس نے آپ سے امامت کی درخواست کی۔ آپ کو ارشادِ محبوب یاد تھا آپ نے اس ارشاد کی اتباع فرمائی۔ یہ اختلافِ تعلیم بوجہ اس حکمتِ الٰہیہ کے ہے عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔

کلام پاک میں کہیں تو اس طرح تعلیم ہے: اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (جو لوگ اپنا مال رات و دن چوری چھپے اور کھلم کھلا خرچ کرتے ہیں تو ان کا اپنے رب کے پاس بڑا اجر ہے نہ ان پر خوف طاری ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔) دوسری جگہ اس انداز میں تعلیم فرما کر متنبہ فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔

...سراف کرنے والوں کو (فضول خرچ
...ول خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں)۔
...فرماتے ہیں کہ یاتین علی الناس زمان لا ینفع فیھا الا
... یعنی ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں کو دولت سیم و زر سے ...
... اخلاق جرأت انسان میں اسی وقت قائم
رہ سکتی ہے جب وہ دوسروں کی مدد استمداد سے بے نیاز ہو یا رشد و ارشاد کے
لیے دوسرے حاجت مند لوگوں کے لیے طعام و قیام کا سامان مہیا کرکے ان کو طلب حق
میں یکسوئی سے مشغول رکھ سکے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کپڑے کے بہت بڑے تاجر اور
بہت دولتمند تھے۔ انھوں نے حضرت امام محمدؒ کی صلاحیتوں کو پرکھ کر ان کی ساری
کفالت اپنے ذمہ لے لی اور وہ اُن کے مایۂ ناز شاگردوں میں شمار ہوئے۔ اگر حضرت
امام صاحب اتنے دولت مند نہ ہوتے تو کس طرح ہونہار شاگرد ... صلا...
بارآور ہونے کا موقعہ دیتے۔ ایسی ہزار مثالیں عہد رسالت ... عہد
عہد تابعین و تبع تابعین میں ملتی ہیں کہ جب دولت مند علماء، صلحاء، فقراء نے دو...
کو برتا اس سے خود فائدہ اٹھایا اپنے وقار و معاشرت میں اپنی عزت کو برقرار رکھا
دولت کو ذریعۂ عملِ خیر سمجھا نہ کہ صرف اپنے لیے آلۂ لذتِ نفس وعیش و عیاشی بنایا۔
(صحاح ستہ، مسند امام احمد ابن حنبلؒ، طبقات ابن سعد۔ اسد الغابہ)
حضرت مولانائے روم نے اسی کی تفسیر کی جو حضرت انبیاء علیہم السلام تعلیم فرماتے
تھے ؎

چیست دنیا از دنیا غافل بُدن — نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(یعنی دنیا سے مراد اللہ تعالیٰ سے غافل رہنا ہے نہ کہ لباسِ فاخرہ زیب تن کرنا اور اہل و
عیال میں مشغول ہونا) صوفیائے کرام میں حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ محی الدین

آپ ہ
فرماتے تھے
آپ نے یہ
نے اپنے نفس کو مردہ کر دیا اس کے لیے دیبا و حریر، ٹاٹ وصوف سب یکساں ہیں۔
بقول حافظ ؎

گر طہارت نبود کعبہ و بتخانہ یکیست
خیر نا شد نہ دراں خانہ کہ عصمت نبود

یہ حفظِ عصمت اور صفائیِ قلب ہی اصلُ الاصول ہے۔ جب قلب تمام دنیوی آلودگیوں ہو کر خلوت خانۂ محبوب ہو گیا تو اس نور و نورانیت کے مقام میں سیم و زر، کی چمک دمک بے حقیقت بے نور ہو جاتی ہے لیکن ظاہر ہیں حضرات جو کیفیات اور صوفیاء کے حال و مقام سے بے خبر ہیں بقول حضرت جگر ؎

ناصح کم نگاہ سے کون یہ کہہ کے سر کھپائے
رازِ شکستگی سمجھ رنگِ شکستگی نہ دیکھ

ان خام کار موٹی عقلوں کے خاکی پتلوں کو کون سمجھا سکتا ہے یہ تو اس گروہ میں ہیں بقول حضرت سعدیؒ ؎

شور بختاں بہ آرزو خواہند
مقبلاں را زوالِ نعمت و جاہ

یعنی یہ بدبخت و بے نصیب تو ہر وقت بوجہ حسد اسی آرزو و تمنا میں رہتے ہیں کہ کسی طرح مقبولانِ بارگاہ کی جاہ و نعمت کا زوال ہو خواہ ان کو خود اس سے کچھ نفع نہ حاصل ہو۔ اس کمینہ خصلت سے جس کا شمار بدترین صفاتِ ذمیمہ میں ہے خود

یا اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ (یعنی اللہ اسراف کرنے والوں کو (فضول خرچ کرنے والوں کو) پسند نہیں کرتا۔ فضول خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ ایک جگہ خود حضور اکرمؐ فرماتے ہیں کہ یاتین علی الناس زمان لا ینفع فیھا الا درھم و دینار۔ یعنی ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں کو دولت سیم وزر سے زائد کوئی چیز نفع بخش نہ ہوگی۔ یعنی عزتِ نفس، اخلاقی جرأت انسان میں اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب وہ دوسروں کی مدد و استمداد سے بے نیاز ہو بلکہ رشد و ارشاد کے لیے دوسرے حاجت مند لوگوں کے لیے طعام و قیام کا سامان مہیا کرکے ان کو طلبِ حق میں یکسوئی سے مشغول رکھ سکے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کپڑے کے بہت بڑے تاجر اور بہت دولتمند تھے۔ انھوں نے حضرت امام محمدؒ کی صلاحیتوں کو پرکھ کر ان کی ساری کفالت اپنے ذمہ لے لی اور وہ اُن کے مایۂ ناز شاگردوں میں شمار ہوئے۔ اگر حضرت امام صاحب اتنے دولت مند نہ ہوتے تو کس طرح ہونہار شاگردوں کی صلاحیتوں کو بارآور ہونے کا موقعہ دیتے۔ ایسی ہزار مثالیں عہدِ رسالت، عہدِ خلفائے راشدین، عہد تابعین و تبع تابعین میں ملتی ہیں کہ جب دولت مند علماء، صلحاء، فقراء نے دولت کو برتا اس سے خود فائدہ اٹھایا اپنے وقار و معاشرت میں اپنی عزت کو برقرار رکھا اور دولت کو ذریعۂ عملِ خیر سمجھا نہ کہ صرف اپنے لیے آلۂ لذتِ نفس و عیش و عیاشی بتایا۔ (صحاحِ ستہ، مسند امام احمد ابن حنبلؒ، طبقات ابن سعد۔ اسد الغابہ)

حضرت مولانائے روم نے اسی کی تفسیر کی جو حضرت انبیاء علیہم السلام تعلیم فرما گئے تھے ؎

چیست دنیا از دنیا غافل بُدن   نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(یعنی دنیا سے مراد اللہ تعالیٰ سے غافل رہنا ہے نہ کہ لباسِ فاخرہ زیب تن کرنا اور اہل و عیال میں مشغول ہونا) صوفیائے کرام میں حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ محی الدین

عبدالقادر جیلانی رح اپنے عہد رشد و ہدایت میں نہایت شان و جلال اور کر و فر سے رہتے تھے۔ آپ کا ملبوس نہایت قیمتی کپڑے سے بنتا اور آپ نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا بھی نوش فرماتے تھے۔ ایک بار آپ کے امیرانہ ٹھاٹ باٹ و طرزِ رہائش پر کسی نے اعتراض کیا تو آپ نے یہ فرما کر اس کا خطرہ دور کیا کہ مُردے کا کفن بھی قیمتی ہی ہونا چاہیئے۔ گویا جس نے اپنے نفس کو مردہ کر دیا اس کے لیے دیبا و حریر، ٹاٹ و صوف سب یکساں ہیں۔

بقول حافظ ؎

گر طہارت نبود کعبہ و بتخانہ یکیست
خیر ہا شد نہ دراں خانہ کہ عصمت نبود

یہ حفظِ عصمت اور صفائیِ قلب ہی اصلُ الاصول ہے۔ جب قلب تمام دنیوی آلودگیوں سے پاک ہو کر خلوت خانۂ محبوب ہو گیا تو اس نور و نورانیت کے مقام میں سیم و زر، لعل و جواہر کی چمک دمک بے حقیقت بے نور ہو جاتی ہے لیکن ظاہر بیں حضرات جو باطن کی کیفیات اور صوفیاء کے حال و مقام سے بے خبر ہیں بقول حضرت جگر ؎

ناصحِ کم نگاہ سے کون یہ کہہ کے سر کھپائے
رازِ شکستگی سمجھ رنگِ شکستگی نہ دیکھ

ان خام کار موٹی عقلوں کے خاکی پتلوں کو کون سمجھا سکتا ہے یہ تو اس گروہ میں ہیں بقول حضرت سعدی رح ؎

شور بختاں بہ آرزو خواہند
مقبلاں را زوالِ نعمت و جاہ

یعنی یہ بدبخت و بے نصیب تو ہر وقت بوجہ حسد اسی آرزو و تمنا میں رہتے ہیں کہ کسی طرح مقبولانِ بارگاہ کی جاہ و نعمت کا زوال ہو خواہ ان کو خود اس سے کچھ نفع نہ حاصل ہو۔ اس کینہ خصلت سے جس کا شمار بدترین صفاتِ ذمیمہ میں ہے خود

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد پناہ مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مَحْسُوْدًا وَلَا تَجْعَلْنِیْ حَاسِدًا۔ یعنی اے اللہ مجھے محسود بنانا لیکن حاسد نہ بنانا۔ یہ دولتِ دنیا بھی ان حضرات کے لیے ایک نوع کا رنگ شکستگی ہے۔ جب یہ تیرہ بخت ظاہر بیں عیب جو نظروں سے ان کے عزت ووقار، جاہ وجلال، دولت وثروت کو دیکھتے ہیں تو حسد سے جل اٹھتے ہیں اور مقدور بھر طنز وتعریض اور حاسدانہ تبسم کے تیر ونشتر سے ان کے دلوں کو چھلنی کرنے میں کوشاں رہتے ہیں یہی ان کی شکستگی دل کا باعث بن جاتا ہے اور وہ اپنے صبر وتحمل سے بہرحال فائدہ میں رہتے ہیں۔ اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ لِاَجْلِیْ (حدیث قدسی) یعنی میں شکستہ دلوں کے قریب رہتا ہوں۔

ماضی بعید کے حضرات صوفیائے کرامؒ کے علاوہ ماضی قریب وحال میں بھی اکثر صوفیائے کرام کا تمول زبان زدِ خاص وعام رہا ہے اور ان کے رموزِ باطنی سے ناواقفیت وجہالت کی بنا پر طنز ومزاح اور وجہِ طعن وتشنیع رہا ہے۔ ان کے خانقاہی اخراجات کے باعث ان کو ہمیشہ ہدفِ ملامت بنایا گیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا لنگر دیگر صوفیاء کی طرح نہیں تھا کہ بندھی ٹکی دال روٹی کا تبرک تقسیم ہو جائے اور بس۔ بلکہ آیندورروند اور وقتی قیام کرنے والوں کو اُن کی حسبِ خواہش وفرمائش کھانا ملا کرتا تھا۔ ان کا خود یہ عالم تھا کہ دو تین نوالے تناول فرما کر آب دیدہ ہو جاتے۔ اور یہ خیال ان کو تڑپا دیتا کہ نہ معلوم اس وقت کتنے بندگانِ خدا دہلی میں بے آب ودانہ بیتاب ومضطرب ہوں گے۔ فیض وکرم کا بحرِ ناپیدا کنار لاکھوں حاجت مندوں کی حاجت روائی کا سامان مہیا کیا کرتا اور ان کو سیر وسیراب کیا کرتا۔

حضرت قطب الدین بنیادِل قلندر جونپوریؒ اور ان کے بعد سلسلۂ عالیہ قلندریہ کے

اولیاء اللہ بڑے پیمانہ پر کاشتکاری کرتے تھے اور اسی پیشہ کے ذریعہ طالبین کا کشود کار فرماتے تھے صدہا طالبین شہر کی مساجد میں آپ حضرات کے مہمان ہو کر قیام کرتے اور سلوکِ طریقت طے کرتے۔ حضرت شاہ مجتبیٰ معروف بہ شاہ مجا قلندر لاہر پوری رح (شاہجہاں اور داراشکوہ کے معتقد علیہ) قادری الطریقت وقلندری المشرب بزرگ تھے۔ میرے علم میں سلسلۂ علیہ قلندریہ میں باقاعدہ خانقاہی نظام کے آپ ہی بانی تھے۔ بہت بڑی جاگیر وجائداد کے مالک تھے ایسا کہ ہر طالبِ صادق کو ان کے اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری اور فکر سے آزاد وبے نیاز کرنے کے لیے کم ازکم دوسو روپیہ سالانہ عطا فرماتے تھے تاکہ فکر دنیا سے آزاد وبے نیاز ہو کر ان کی خدمت میں قیام کرکے مدارج سلوک طے کرسکیں۔

الغرض فیضِ عام کے سامان کیا دولت کے رہینِ منّت نہیں۔ کیا جذبۂ خدمتِ خلق اور فکرِ رفاہِ عام بروئے کار آسکتا تھا۔ اگر اولیاء اللہ حسبتاً للّٰہ یہ جائز کسب دولت نہ کرتے۔ ظاہری شاہانہ ٹھاٹ رکھتے ہوئے بھی وہ دل گنجینۂ معرفت وخزینۂ محبتِ حق بنائے تھے۔ ان کے دل حرصِ مال وحبِ دنیا سے پاک اور ان کے قلوب ہمہ وقت جلوہ گاہِ حق بنے رہے۔ باوجود کسب معاش میں مشغول رہنے اور دولتمند ہونے کے ان کا رابطۂ مع اللّٰہی اسی طرح قائم رہا اور قلب جلوۂ محبوب کی طرف منجذب رہا۔ جس طرح جس وقت بھی مقناطیس کے مقابل ہوتا ہے اس کی طرف کھنچ جاتا ہے۔

کیا یہ سب حصولِ دولت صرف اپنی آسودگیِ نفس کے لیے تھا؟ ہرگز نہیں۔ ان صوفیاء کی ذاتی زندگی سادگی کا ایک نمونہ تھی۔ وہ اس دنیا میں مسافرانہ زندگی گذارتے تھے، رسول اللہؐ کا حکم ہر وقت ان کے دل ودماغ میں رچا بسا تھا کہ کن فی الدنیا کانک غریب اوعابر سبیل فلاتنما ذکر اللہ وطاعتہ (یعنی دنیا میں ایک مسافر (پردیسی) یا راہ گیر کی طرح رہو اور اللہ کا ذکر اور اس کی اطاعت لازم کرلو۔) حصولِ دنیا

کے پاپڑ وہ صرف اس لیے بیلتے رہے کہ دُکھے ہوئے اور زخمی دلوں کے لیے سامانِ مرہم فراہم کرتے رہیں ؎

چاہتا ہے عشق رازِ حسن عریاں کیجیے
یعنی خود کھو جائیے ان کو نمایاں کیجیے

مسند الوقت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[۱] کہ "شیخ وقت اور کامل کے لیے با اقتدار و مہذب و متمدن ہونا ضروری ہے۔" دوسری جگہ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ بزرگؒ (والد ماجد) نے بہ اشارۂ غیبی مجھے ہمراہ لے کر دعا مانگی اللّٰھم اعطِ مالاً وولداً وشرح صدر فی الدنیا واسلاماً عند الموت ومغفرۃ بعد الموت وفردوساً فی الجنۃ (اولین دعا مال و دولت کی طلب)

رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس
اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست

وہ پردہ دار جو اپنی خوبیوں، اپنے روحانی و باطنی مقامات کو برسرِ عام و عامی نظروں سے چھپائے ہوئے ہیں جو نیک نامی و شہرت کی ہوس سے کوسوں دور حالتِ اخفا و کتمان میں اپنے حال و مقام کو صیغۂ راز میں رکھنے کی کاوشوں میں مشغول ہیں۔ ظاہر بیں نگاہیں کیا جانیں کیا سمجھیں کہ یہ دولتِ دنیا کا حصول دنیاوی کاروبار میں ظاہری انہماک کے کیا کیا باطنی اور روحانی مصالح ہیں۔ "دل بہ یار و دست بہ کار" رہنے کو خصوصاً حضرات نقشبندیہ خاص روحانی عمل قرار دیتے ہیں جس کے لیے سرحلقۂ نقشبندیاں خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ نے "خلوت در انجمن" کی خاص اصطلاح ایجاد فرما کر اپنے مسترشدین کو اس کی خاص تعلیم فرمائی۔ سطحی نظریں اور ظاہر پر ٹھہر جانے والی بصیرت سے عاری آنکھیں

---

[۱] السعی المشکور فی ترجمۃ القول الجلی۔

کیا جانیں کہ ان اولیاء اللہ کا کیا طریقۂ سلوک اور کیا مسلک رہا ہے اور اپنے پیروؤں کو باطنی دولت سے مالا مال کرنے کے کیا کیا طریقے اختیار فرماتے۔ صرف عبادت بدنی یعنی جسمانی مجاہدے اور ریاضتیں کافی نہیں بلکہ عبادتِ مالی اور دیگر بیشتر طریقے ہیں جن کے ذریعہ مسترشدین کی اصلاحِ نفس و باطنی ترقی ہوتی ہے اور یہ ہر شخص کے حسبِ حال وحسبِ مزاج و فطرت ہوتا ہے۔

آج یہ رفاہِ عام کی جو جلوہ نمائیاں ہیں خانقاہوں میں اوقاتِ مقررہ کا اہتمام لاکھوں روپیہ حاضرین و طالبینِ حق مہمانوں کے قیام وطعام پر خرچ کرنا اور طالبین کو جذب و سرمستی و عرفان واخلاق کی تعلیم دینا۔ یہ آج ہزارہا دینی مدارس میں علوم و فنون کی ترویج اور یہ نئی نئی سائنسی ایجادات جن سے انسانی زندگی کو مادی سکون دیا جاسکے کیا دولت کی بدولت نہیں؟ ہاں یہ سب موقوف ہے دولت کے صحیح وصائب استعمال پر۔ ان صوفیائے کرام کے لیے اس کسبِ دولت کی علتِ غائی یہ تھی کہ عام لوگ یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ اگر دولت باعثِ صد زحمت ہے تو بے شمار رحمتوں کا ذریعہ بھی ہے اور ان میں یہ بصیرت پیدا ہوجائے کہ وہ اس رمزِ اکتسابِ دولت کو پالیں اور ظاہر سے ترقی کرکے باطن کی حقیقت کو سمجھیں اور پائے نظر کو آزادی دیں اور خود بینی وخودی کی زنجیروں کو توڑ کر ان اولیاء اللہ کی کاوشوں اور کوششوں کا عرفان حاصل کرکے عارف اور حقیقت بین بن سکیں۔ یوں تو ہمیشہ سے صوفیائے کرام ہدفِ ملامت بنتے رہے مگر فی زمانہ اس گروہ کے صوفیاء جن کو اسبابِ معیشت میسر تھے یا ہیں ان پر طعن وطنز عام شعار اور فیشن ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم بلا استثنا طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

یہ طنز ابن کی ذہنی و دماغی کاوش ہے جو مشرک فلسفی نطشے کے دل کو مومن اور صرف اس کے دماغ کو کافر کہتا ہے ؎

قلب او مومن دماغش کافر است

حالانکہ مومن کا قلب ہی عرش اللہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے فلسفیانہ ذہن و دماغ کو ہی اپنا رہبر بنائے رہے لہٰذا وہ کیوں اس عیب جوئی میں اپنے کو اوروں سے پیچھے رکھتے جن کے لیے بجلی کی روشنی اور کلبۂ ریاضت کی تاریکی ایک ہو۔ جسے جلوۂ حق کا نور ہمہ وقت اندھیرے اجالے نظر آتا ہو اس کی نگاہ میں سو پاور بجلی کے بلب کی روشنی کی کیا حقیقت۔ یہ شعر مریدین کے لیے سامانِ عبرت مہیا کرتا ہے۔ مرید کا یہ خطرہ کہ وہ پیر کے ظاہری اسباب پر حسد کرے اس کی محرومی و خسران الآخرۃ کا باعث ہوگا کیوں کہ اس قسم کے خطرات اس کی ارادت کو سوخت کرتے ہیں۔ جب ارادت نہ رہی تو پھر سوا منافقت و تیرگی کے اس کے دل میں کیا باقی رہا ؎

مے کہ بدنام کند اہلِ خرد را غلط است

بلکہ مے می شود از صحبتِ ناداں بدنام

اگر دولت کو امانت و ملکِ الٰہی سمجھ لیا جائے اگر دولت کے حصول کا مقصد حکم الولیٰ اُمراء پر غرور سے بے نیازی ہو اگر ذرائع و وسائل دنیاوی حاصل ہونے کے بعد جرأت اخلاقی اور جذبۂ معرفت و خدا شناسی، تعلق مع اللّٰہی زندہ و تابندہ و بیدار رہے تو باعثِ برکت و سعادتِ اخروی ہے۔ ارباب ظاہر پرست جو صوفیائے کرام کے حال مقام سے بے خبر ہیں ان کو اس کا استحقاق نہیں کہ وہ ان حضرات پر حرف گیری کریں

[illegible]

میرا مقصد ہرگز موجودہ دور کے خود ساختہ و نام نہاد بلکہ نقال پیروں کی تائید اور اُن کے افعالِ بد کی توجیہہ نہیں ہے جو صوفیاء کے لباس میں اپنی نااہلی و عاقبت فروشی کے ساتھ اپنے اسلافِ کرام کی استخواں فروشی کر رہے ہیں جن کا نہ سلسلۂ طریقت صحیح و متصل ہے اور نہ جن کو اجازت و خلافت و جانشینی کی اصلیت و اہمیت کا بوجہ جہالت و نفسانیت علم ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ صوفیائے کرام نے کیا اصول و قواعد اس کے لیے مقرر و مرتب فرمائے ہیں جو صرف دعا و تعویذ کا پیشہ اختیار کر کے اپنی چرب زبانی و پُرفریب باتوں سے اور بھوت پریت، آسیب، جادو ٹونا کی کہانیاں سُنا سُنا کر عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[1] کی خدائی تنبیہ و تہدید سے اپنے کو دیدہ و دانستہ اندھا بناتے ہیں۔ دعا، تعویذ و اعمال کو بعض متاخرین صوفیاء نے صرف رفاہِ عام کے لیے اختیار کیا لیکن اس میں بھی ان کو سخت مجاہدات کرنا پڑتے تھے۔ جلبِ منفعت و تجارت ہرگز مقصد نہ تھا۔ ان چیزوں کو تصوف یعنی علم طریقت و معرفت و درویشی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ افسوس و شرم سے اس بات کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ دور کے بیشتر نام نہاد فقیر صوفی اپنے اسلاف کے اصولوں کو پامال کر کے خود بھی موردِ طعن و طنز بن رہے ہیں اور دوسروں کو بھی بدنام کر رہے ہیں ؎

پیراہن رنگیں سے شعلہ سا نکلتا ہے
غافل ہیں وہ کیا جانیں دامن کہیں جلتا ہے

مگر یہ کلیہ بھی ماننا پڑے گا تعرف الاشیاء باضدادھا (یعنی اشیاء کی شناخت

---

[1] بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ جو شخص حرام کا لقمہ [illegible]
[illegible] روزہ کی بھی عبادت قبول نہیں ہوگی [illegible]

ان کی ضد سے ہوتی ہے) اگر نقل نہ ہو تو اصل کیسے پہچانا جائے۔ اگر کفر نہ ہوتا تو اسلام کیسے پہچانا جاتا۔ اگر بدی و برائیوں کا وجود نہ ہوتا تو اچھائیوں و نیکیوں کا لفظ بے معنیٰ ہو جاتا۔

زیر نظر مضمون میری اسی تمہید کا ایک عکس ہے جو نقشبندیوں کے قافلہ سالار حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے حالات پر مشتمل ہے جو بیک وقت بوریا نشین فقیر بھی تھے اور صاحب اورنگ و سریر بھی۔ واضح رہے کہ یہ وہی ممتاز اور عظیم المرتبت شخصیت ہے جن کے سلسلے میں حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی نے اپنی ہر تصنیف میں حمد و نعت کے بعد ایک عنوان قائم کیا ہے ؎

زد بجہاں دولت شاہنشہی — کوکبۂ فقر عبید اللّٰہی

آں کہ ز حریت فقر آگہ است — خواجۂ احرار عبید اللہ است

گشتہ ملائک مگس خوان او — راتبہ خوار از شکرستان او

تاریخ کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بادشاہوں اور امراء کے حالات کو مکمل تاریخ کہو اگرچہ اس علم کی جائز وسعت کو بے جا طریقہ سے محدود کر دینا ہے جو تصنیفات دورِ ماضیہ کے حکمرانوں، بادشاہوں کے حالات اور ان کے عہد کے چند حیرت انگیز واقعات تک محدود ہوں مورخ کے لیے یقیناً ناکافی ہوتے ہیں اسی لیے ضرورت ہوتی ہے کہ دوسرے ذرائع سے تفتیش و تحقیق کرکے دنیا کے سامنے تاریخ کا مکمل خاکہ پیش کرے۔

صوفیاء کے ملفوظات اور تذکروں کا مطالعہ ایسے مواقع کے لیے نہایت ہی مفید ثابت ہوا ہے اس لیے کہ اکثر ایسے واقعات کا ان سے انکشاف ہو جاتا ہے جن پر اکثر و بیشتر مؤرخین نے توجہ دینا ضروری نہیں سمجھا۔ ملفوظات اور تذکروں سے روزمرہ کی زندگی کا طریقہ اور عوام کی معاشرتی و تمدنی ترقی کا بھی پتہ چلتا ہے جو علم تا

کا جزوِ اعظم ہے مگر ان تمام امور سے الگ ایک وجہ اور بھی ہے جس سے ملفوظات اور تذکرے تاریخی حیثیت سے انتہائی قابل قدر ہیں۔ فقراء کی خدمت میں امیر و غریب شاہ و گدا ہر ہر طبقہ کے لوگ اپنی اپنی حاجتیں لے کر آتے تھے اور ضرورتاً یا برسبیل تذکرہ بکثرت واقعات اور صحیح حالات و معاملات بیان کر جاتے تھے جن میں سے اکثر ملفوظ نگار اور تذکرہ نویس نے محفوظ کر لئے۔ یہ واقعات عام طور پر یقیناً صحیح ہوتے تھے اس لیے کہ غلط بیانی تو شئے دیگر ہے پیر و مرشد سے قلبی کیفیات کا اخفا بھی اس عہد میں اعتقادی حیثیت سے گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔

سلاطینِ خلجیہ کے دَور کا واقعہ ہے۔ سلطان جلال الدین خلجی شہنشاہِ ہند کے جاہ و جلال کا عہد تھا۔ حضرت امیر خسرو اس کے خاص معتمد اور حضرت نظام الدین اولیاء کے قلب و نظر میں سمائے ہوئے تھے۔ ایک بار شہنشاہ نے بلا اطلاع حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ حضرت محبوبِ الٰہی بادشاہوں کی ملاقات سے حتی الامکان گریز فرماتے تھے۔ بادشاہ نے حضرت امیر خسرو سے معلوم کر لیا کہ حضرت کس وقت مل سکتے ہیں اس کے ساتھ ہی یہ بھی تاکید کر دی کہ میرے اس ارادہ کی اطلاع خبردار حضرت کو نہ ہونے پائے۔ حضرت امیر خسرو کو اس وقت تو بادشاہ سے وعدہ کرنا پڑا مگر گھر پہنچ کر عقیدت و محبتِ مرشدی نے سخت گیری کی۔ نفسِ لوّامہ نے گرفت کی۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بلا خوف بادشاہ کے ارادہ سے مطلع کر دیا چنانچہ آپ وقتِ مقررہ پر دہلی سے باہر تشریف لے گئے اور بادشاہ کو مایوس و دل گرفتہ واپس جانا پڑا۔ دوسرے روز جب امیر خسرو دربار شاہی میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے سخت باز پرس کی اور پوچھا کہ یہ جرأت تم نے کیسے کی۔ انھوں نے بلا خوف لومۃ لائم صاف صاف کہہ دیا کہ گھر پہنچ کر دل نے ملامت کی کہ پیر و مرشد سے جو بادشاہ حقیقی کا اصل مظہر و مظہر ہے کچھ چھپانا ان کی نارضامندی

کا باعث ہوگا جس سے دین و دنیا دونوں کی تباہی اور نقصان ہے۔ بخلاف اس کے ظاہر کر دینے میں صرف آپ کی ناراضگی اور خفگی کا اندیشہ ہے جس سے صرف دنیاوی سزا اور تکالیف جھیلنا پڑیں گی اس لئے میں نے آپ کی خفگی کو بہت آسان سمجھا اور حضرت کو اطلاع کر دی۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عقیدت مند امرار اور درباریوں کی زبان سے جن واقعات کا تذکرہ اپنے معتقد علیہ صوفیار کے سامنے ہوتا تھا ان کی صحت میں کسی شبہ کی گنجائش ہی نہیں اسی لیئے ملفوظات اور تذکرے جس حد تک تاریخی واقعات کا پتہ دیتے ہیں ان کی شہادت بڑی وقیع اور قابل قدر ہے۔

اکابرِ صوفیائے کرام کے ملفوظات کی بکثرت تعداد دستیاب ہوتی ہے۔ ہم اس وقت ان میں سے صرف چار[۱] پر مختصر تبصرہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک

---

[۱] میرے مضمون کا اصل ماخذ مقامات عالیہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (حصہ اول معروف بہ سلسلۃ العارفین وحصۂ دوم تذکرۃ الصدیقین) ہے۔ یہ شیخ محمد قاضی خلیفۂ خاص حضرت خواجہ صاحب کی تالیف ہے۔ یہ کتاب سمرقند کے شاہی کتب خانہ میں رہی ہے۔ دونوں حصوں پر شاہی کتب خانہ کی مہر ہے ۱۰۵۹ھ پڑھا جاتا ہے۔ سنہ کتابت نہیں درج ہے۔ صفحات ۵۲۴ سطر ۱۷۔ بخط خفی خوشخط۔

[۲] دوسرا ماخذ فقرات خواجہ عبید اللہ احرار ہے۔ صفحات ۱۲۷۔ سطریں ۱۷ بخط خفی خوشخط۔ یہ نسخہ حضرت شیخ محمد معصوم لاہوری خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و شیخ عبید اللہ صدیقی (خالِ کبیر شاہ صاحب رح) نے اپنے دوست خواجہ محمد امین ولی اللہی کی فرمائش پر شاہ صاحب کے سفرِ حج ۱۱۴۳ھ میں لکھ کر پیش کیا تھا۔

[۳] رشحات عین الحیات تالیف علی بن حسین الواعظ الکاشفی المشتہر بالصفی۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مشہور و معروف بلکہ سرحلقہ اولیائے عہد بزرگ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سمرقندیؒ کے فی الوقت مختصراً چند تاریخی واقعات اور حالات ناظرین کے سامنے پیش کریں جن کو خاص طور پر بادشاہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مالکِ ایں رشحات علی بن محمد نصیر الدین الحسینی الواعظ۔

رباعی ملا جامی در مدحِ "رشحات"

من ناحیۃ الوصال حبت نفحات فارتاح فؤادنا بشم النفحات

در وادی ہجر تشنہ لب می مردیم آمد ز سحاب لطفِ جاناں رشحات

۹۰۹ھ

مُہر علی بن محمد نصیر

یہ چھوٹی تقطیع میں ۸۰ ہم پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں فہرست بھی درج ہے جس میں صدہا عنوانات قائم کئے ہیں۔ بہت خوشخط اور مطلا ہے۔ یہ نسخہ مولف کتاب کی ملک اور مطالعہ میں بھی رہا ہے جس پر ان کے دستخط اور مہر بھی موجود ہے۔ ان کے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا وہ مذکورہ بالا قطعہ تاریخ بھی ہے جو راقم الحروف کی نظر سے اب تک کسی دوسرے مطبوعہ و غیر مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملا۔

سلہ رشحات کا دوسرا نسخہ بہت خوشخط و مطلا و محشی بھی ہے اور بہت صحیح ہے یہ بھی یقیناً تاشقند یا سمرقند کے شاہی کتب خانہ کی ملک تھا جو بعد کو دیگر امراء کے پاس پہنچتا رہا۔ اس نسخہ میں آٹھ عدد مہریں ہیں جن کو سیاہ روشنائی سے مٹایا گیا ہے۔ صرف ایک مہر پر سنہ ۹۱۰ھ پڑھا جاتا ہے یعنی سالِ تصنیف سے ایک سال بعد نام نہیں پڑھا جاتا۔ دوسری مہر پر نام محمد نود پڑھا جاتا ہے سن نہیں پڑھا جاتا۔ آخری صفحہ پر ختم کتاب کے بعد ایک قرآنی آیت کا عمل کسی دوسرے کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس کے آخر میں راقم نے لکھا ہے۔ تمت رابع رجب سنہ ۹۱۸ھ کتاب کے صفحہ آخر پر دو مہریں اور ہیں وہ بھی سیاہ روشنائی سے مٹا دی گئی ہیں۔ جلی قلم سے یہ عبارت ہے۔ "در سنہ ۹۲۰ھ دارالسلطنت تاشکند" (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور امراء کی اصلاح کے لیے اللہ نے مقرر فرمایا تھا۔ ان کی ہی اتباع و پیروی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کی۔ انشاء اللہ ان ضخیم ملفوظات کو ایڈٹ کرکے آئندہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔ حضرت کے مفصل حالات، واقعات اور تعلیمات کی مکمل سوانح حیات کی گنجائش اس مضمون میں نہ ہوسکی ہم صرف آپ کی چند ملکی خدمات اور سیاسی اثرات پر یہاں روشنی ڈالنا چاہتے ہیں مگر بہتر ہوگا کہ پہلے ان کی تاریخی حیثیت ناظرین کے سامنے پیش کردیں تاکہ واقعات کی صحت میں کسی شک کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ اس موقعہ پر بھی بغرض تعارف یہ یاد دلانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ وہی امیر الامراء بزرگ ہیں جن کے نام سے حضرت مولانا جامی نے اپنی بیشتر تصانیف میں حمد و نعت کے بعد ہی ایک عنوان آپ کی منقبت میں قائم کیا ہے اور ۳۵ اشعار صرف "یوسف وزلیخا" میں نظم کیے ہیں جن میں سے ؎

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد
بہ تدبیرِ عبید اللّٰہی آمد

بہت زبان زد ہوا ہے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے طریقتاً جد ہیں۔ تاریخ کی بہت سی کتابوں میں آپ کا تذکرہ ہے۔ بابر نے اپنے چچا سلطان احمد مرزا بادشاہ سمرقند کے حالات میں لکھا ہے کہ "وہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے مرید تھے بادشاہِ مذکور کو اتنی بڑی سلطنت آپ نے ہی اپنے تصرف و قوتِ باطنی سے عطا فرمائی جس کا دلچسپ و مفصل واقعہ "سلسلۃ العارفین" میں مذکور ہے) اور حضرت کے سامنے نہایت درجہ ادب و احترام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نیچے کی مہر مٹی ہوئی ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے در تاریخ... ۱۰۲۹ھ در دار الملک کابل بقیمت شش روپیہ خرید شد۔